قانون خلع

معاشرتی اصلاح کا ایک اہم کارنامہ

شریعت حقہ نے جس طرح مردوں کو مخصوص حالات میں طلاق دینے کی اجازت دی ہے اسی طرح عورتوں کو بھی حق "خلع" عطا کر کے خاص صورتوں میں نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے۔ لیکن ہماری صدسالہ غیر اسلامی۔ غیر قرآنی اور غیر شرعی معاشرت نے ہماری عورتوں کو طلاق میں مساوات کے فطری اور ابدی حق سے محروم کر رکھا ہے۔ اسی لئے جب وہ ناقابل برداشت حالات میں گھر جاتی ہیں اور ان کی گھر کی خوشگوار زندگی جہنم زار بن جاتی ہے تو وہ اس "عذاب الیم" سے نجات و رستگاری حاصل کرنا چاہتی ہیں لیکن انھیں ایسا کوئی راستہ نظر نہیں آتا جو انھیں منزل مقصود تک پہنچائے اور جس پر چلنے کے بعد ان کیلئے دلی تمنا و خواہش کا حصول آسان ہو جائے۔ مجبوراً وہ ارتداد و کفر کی راہ اختیار کر لیتی ہیں۔ ہزاروں عورتیں محض ازدواجی زندگی کی ناکامی کی وجہ سے اسلام کے سایہ من سے ہٹ کر آغوش کفر میں پناہ لے چکی ہیں اور ان کی تعداد تو ان سے بھی زیادہ ہے جو آئندہ اسی بدترین فعل کو اختیار کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ بہت مدت سے اس شدید ضرورت کا احساس کیا جا رہا تھا کہ شوہروں کی نالائقی۔ بیرحمی۔ مفقود الخبری وغیرہ کی شکار عورتوں کو۔ ان مصائب و آلام سے بچانے کیلئے انھیں ان کا حق (خلع) واپس دیا جائے۔ اور ایسی صورت پیدا کی جائے کہ انھیں اپنا یہ حق استعمال کرنے میں کوئی دقت و مشکل نہ پیش آئے اور وہ اسے آسانی سے استعمال کر سکیں۔ تاکہ انھیں اس کے لئے کفر و ارتداد کی معصیت انگیز راہ نہ اختیار کرنی پڑے۔

مرکزی اسمبلی کے ممبر مولوی محمد احمد صاحب کاظمی . . . . . . : کو خدا جزائے خیر دے کہ اس سلسلہ میں انھوں نے سبقت کی اور قانون خلع (زوجہ کو فسخ نکاح کا اختیار دینے کا قانون) کا مسودہ پیش کیا جو کہ تین سال کی آہستہ خرام بلکہ مخرام کی نازنیانہ چال چلتے ہوئے لیجسلیٹو اسمبلی و کونسل آف اسٹیٹ کے سرمائی سیشن میں پاس ہو کر ۱۰ مارچ ۱۹۳۹ء سے نافذ ہو چکا ہے (القلاب ۲۶ مارچ)

عورتوں کو نکاح فسخ کرانیکا حق

اس قانون کی رو سے ہر وہ مسلمان عورت عدالت کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرانے کی مجاز ہوگی:۔

(۱) جس کے شوہر کو دو سال یا دو سال سے زیادہ کی سزا ہو گئی ہو۔ یا وہ دو سال سے لاپتہ ہو اور اس نے اپنی بیوی کے گذر بسر کے لئے کوئی انتظام نہ کیا ہو۔

(۲) جسکا شوہر مسلسل دو سال تک اپنی بیوی کی طرف سے لاپرواہی برتے یا دو سال تک اسے نان نفقہ نہ دے۔

(۳) جسکا شوہر سات سال سے لاپتہ ہو۔ یا سات سال یا اس سے زیادہ مدت کیلئے سزایاب ہو گیا ہو

(۴) جسکا شوہر تین سال تک بیوی سے ازدواجی تعلقات قائم نہ کرے۔

(۵) جسکا شوہر کسی جسمانی عارضہ کی وجہ سے "فرائض زوجیت" ادا کرنے کے ناقابل ہو۔

(۶) جسکا شوہر دو سال سے پاگل ہو۔ یا جذام یا کسی زہریلے جنسی مرض کا شکار ہو جائے۔
(۷) جس کی شادی باپ یا کسی دوسرے ولی نے سن شعور (یعنی ۱۵ سال) کی عمر سے پہلے کردی ہو ایسی عورت انیس سال کی عمر سے پہلے پہلے اپنا نکاح فسخ کراسکیگی۔ لیکن اگر انیس سال کی عمر تک اس نے اپنا یہ حق استعمال نہ کیا تو پھر اسے اس شکایت کی بنا پر فسخ نکاح کا حق نہ رہیگا۔
(۸) جسکا شوہر اپنی بیوی کے ساتھ بیرحمانہ سلوک کرے یعنی (الف) اسے مارنے پیٹنے کا عادی ہو (ب) مارنے پیٹنے کا تو عادی نہ ہو لیکن اس کے ساتھ بے رخی اور روکھے پن کا ایسا بیرحمانہ برتاؤ کرے جس سے بیوی کیلئے زندگی وبال جان ہو جائے۔ (ج) آوارہ عورتوں کے ساتھ رہے اور سیاہ کاری کے ساتھ زندگی بسر کرے یا اپنی بیوی کو سیاہ کارانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کرے (د) بیوی کے مملوکہ مال کو اس سے چھین لے یا اسے اس مال سے فائدہ نہ اٹھانے دے۔ (ہ) بیوی کو مذہبی اعمال و وظائف کی بجا آوری سے روکے (ز) اس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ قرآن پاک کی ہدایات کے بموجب ان میں عدل نہ رکھ سکے۔
(۹) کوئی ایسی وجہ پیدا ہو جائے جس کی بنا پر شریعت نے عورت کو خلع کا اختیار دیا ہو

قانون کے نقائص

حق خلع یعنی عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق کوئی نیا قانون نہیں ہے جسے موجودہ افسوسناک و تباہ کن نتائج سے بچنے کیلئے بذریعہ اسمبلی اختراع کرایا گیا ہے بلکہ مسلم عورتوں کو یہ حق ابتدائے اسلام سے حاصل ہے اور تمام علماء و فقہا کے نزدیک مسلم ہے۔ ہندوستان میں بھی جب تک اسلامی حکومت تھی انھیں یہ حق حاصل تھا اور اس پر برابر عمل ہوتا رہا ہے۔ مگر انقلاب دہر اور صورت حالات کی تبدیلی نے ان سے یہ حق چھین لیا اور ایک صدی سے زیادہ ہوئے کہ انھیں اس حق سے محروم کردیا گیا ہے۔ ہندوستان کی اسلامی حکومتوں کا مذہب حنفی تھا اور فقہ حنفی ہی پر عمل بھی کیا جاتا تھا۔ جس میں کہ خلع کی صورتوں کی وضاحت نہیں کی گئی بلکہ انھیں حاکم و قاضی کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسلامی دور میں اس سلسلہ میں کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ کیونکہ ہر قاضی و حاکم بذات خود قرآن و حدیث اور فقہ کا ماہر ہوتا تھا۔ لیکن برطانوی سامراج نے آکر طرح طرح کی مصیبتیں پیدا کردی ہیں۔ اور چونکہ عدل و انصاف کی کرسیوں پر بیٹھنے والے ماہران شریعت کے بجائے ماہران قانون ہوا کرتے ہیں۔ اور فیصلہ قرآن و حدیث کے مطابق نہیں بلکہ "محمڈن لا" کے مطابق ہوتا ہے۔ اسلئے جن چیزوں کا فیصلہ عدالت کے اختیار تمیزی پر موقوف کردیا گیا ہے ان کے بارے میں ان عدالتوں میں بڑی دقت پیش آتی ہے اسی لئے اس قانون کو اسمبلی کے ذریعہ پاس کرایا گیا ہے تاکہ عدالتیں اسی واضح ضابطہ کو پیش نظر رکھکر بلا پس و پیش عمل کرسکیں۔

لیکن یہ قانون جب پاس ہو کر نظروں کے سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ اس میں بعض افسوسناک خامیاں رہ گئی ہیں۔ اور بعض دفعات کے اعتبار سے تو یہ قانون شریعت حقہ اور مسلمانوں کی خواہشات کے قطعاً خلاف ہے۔ چنانچہ اسی قانون کے دفعہ (۵) میں ہے کہ "اگر عورت اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے تو اس کا نکاح فسخ نہ ہوگا۔ بلکہ وہ بدستور مسلمان شوہر کے نکاح میں رہیگی۔" حالانکہ یہ تعلیمات نبویہ کے قطعاً خلاف ہے۔ ارتداد کے بعد ازدواجی تعلقات باقی نہ رکھنے پر تمام علماء و فقہاء متفق ہیں۔ لیکن اس بارے میں کہ اسکے بعد اسکو شوہر سے جدا کیا جائے یا نہیں؟ وہ فقہاء بھی جو کہ عورت کے ارتداد کو فسخ نکاح کا موجب نہیں سمجھتے کچھ زیادہ نرمی نہیں کرسکے۔ ان فقیہوں کے نزدیک بھی ارتداد کے بعد شوہر کو عورت سے زن و شوئی کے تعلقات منقطع کرلینا چاہئیں

البتہ اسے اپنی نگرانی میں محبوس رکھنا چاہیئے۔ یہانتک کہ وہ دوبارہ اسلام کی صداقت کو محسوس کرنے یا ہمیشہ کیلئے اپنے سابق شوہر کے گھر میں کنیز کی حیثیت سے اہانت آمیز زندگی گذارنا منظور کرے۔ لیکن یہ چیز صرف دارالاسلام ہی میں ہوسکتی۔ اس دور ضلالت میں کسی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ مرتد ہوی اس کے گھر میں ہو اور وہ اسے اپنے گھر میں کنیز سمجھکر صرف اپنی نگرانی میں رکھے اور ارتباط و یگانگت کے تمام سابق رشتے منقطع کرلے۔ چونکہ یہ دفعہ اسلامی شریعت کے بالکل منافی ہے اسلئے اسکو اس سے حذف کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

ہمارے خیال میں اس دفعہ کے بڑھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اسکو بڑھانے کا باعث یہ خیال تھا کہ عورتیں مرتد ہوکر غیر مذہب اختیار کرلیتی ہیں۔ اسلئے اس دفعہ کے بڑھ جانے سے یہ مصیبت کم یا فنا ہوجائیگی۔ لیکن جبکہ خلع بل کی وجہ سے ارتداد کے اسباب ہی فنا کردیئے جارہے ہیں تو خواہ مخواہ ایک غیر اسلامی قانون بننے کی کیا ضرورت ہے صاف سی بات ہے کہ جب عورتیں مسلمان رہ کر بھی اپنے شوہروں کی بے رحمیوں اور ظلم کوشیوں سے نجات حاصل کرسکیں گی تو ان کے سامنے مرتد ہونے کا سوال ہی نہ آئیگا۔ اسلئے یہ دفعہ سراسر لغو اور بالکل غیر مفید اور غیر اسلامی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ سلیکٹ کمیٹی نے ہندوؤں کے اعتراض پر یہ منظور کرلیا ہے کہ اگر کوئی ایسی عورت جو غیر مسلم سے مسلم ہوئی ہو اپنے مذہب میں واپس جانا چاہے تو اس پر اس قانون کا اطلاق نہ ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام کا اصول ہر جگہ اور ہر شخص کیلئے ایک ہونا چاہیئے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ جس مسلمان عورت کا باپ مسلمان ہو وہ تو ارتداد کے بعد مسلمان شوہر ہی کے قبضہ میں رہیگی۔ لیکن جس مسلمان عورت کا باپ غیر مسلم ہو وہ ارتداد . . . . . کے بعد مسلمان شوہر کے قبضہ میں نہ رہیگی۔ وقت کے سیاسی تقاضوں سے مجبور ہوکر شریعت کے اصول بدلنا کسی صورت سے گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ دفعہ تین میں سات سال کی مدت بھی بہت زیادہ ہے اس میں بھی تخفیف کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے اہم اور بہت بڑا نقص یہ ہے کہ سلیکٹ کمیٹی نے اس دفعہ کو بالکل ہی اڑا دیا ہے جس میں اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کرنے کیلئے مسلمان جج ہونا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ اس دفعہ کے اڑا دینے کی وجہ سے یہ قانون بالکل بیکار ہوجاتا ہے اور اس سے وہ فوائد نہیں حاصل کئے جاسکتے جنکا تخیل محرک کے دماغ میں تھا۔ کیونکہ حق خلع دینے کے باوجود۔ اس دفعہ کو اڑا دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایسی مشکلات کا اضافہ کردیا جائے جن کے ہوتے ہوئے اس حق سے فائدہ اٹھانا ہی غیر ممکن ہوجائے۔ اسلام خلع کرانے کا اختیار صرف مسلمان قاضی و حاکم کو دیتا ہے اس کے نزدیک غیر مسلم کا خلع کرایا ہوا معتبر ہی نہیں۔ اور اس کے نزدیک غیر مسلم کے فیصلہ کا عدم و وجود برابر ہے۔

مشکلات کا حل ضرورت ہے کہ دفعہ (۵) بالکل اڑا دی جائے۔ اور دفعہ (۳) (جسمیں کہ سات سال کی قید ہے) میں تخفیف کرکے مدت کو اور کم کیا جائے۔ آخری مشکل سے نجات حاصل کرنے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) اس دفعہ (جس میں کہ مسلم جج کی قید لگائی گئی ہے) کو بحال کیا جائے (۲) مسلمانوں کیلئے علیحدہ نظام شرعی قائم کیا جائے۔ موجودہ حالات میں پہلی صورت کا ہونا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے سوائے چار صوبوں کے باقی تمام صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔ یعنی ۲ فیصدی سے لیکر اٹھارہ فیصدی تک۔ اسلئے وہاں اسوقت

مسلم ججوں کا تناسب آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔ پنجاب میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اور بلحاظ تعلیم کے دوسرے صوبوں کے مسلمانوں سے بہت آگے ہیں اور جہاں اسوقت اسلامی وزارت بھی ہے۔ مسلم ججوں کا تناسب ۲۳ فیصدی سے زیادہ نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جن صوبوں میں مسلمان دو فی صدی یا پانچ یا چھ فی صدی ہیں وہاں مسلم ججوں کا تناسب ایک دو فی صدی سے زیادہ نہیں ہوگا۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ گورنمنٹ ہر ضلع میں ایک مسلمان دیوانی جج مقرر کرے۔ یہاں تک کہ خود پنجاب میں بھی یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ کہنا کہ ایسی صورت میں عورت کو چاہیئے کہ جہاں مسلم جج ہو وہاں جاکر وہ مقدمہ پیش کرے سراسر لغو اور مہمل بات ہے۔ ذرا غور کیجیے ایک مظلوم و بیکس مسلمان عورت ہے جو کہ دن رات اپنے شوہر کے مظالم کی تختۂ مشق بنی ہوئی ہے۔ اور اس پر زندگی وبال جان ہوچکی ہے۔ سامان معیشت اس کے پاس بالکل نہیں ہے۔ یا ہے تو مگر بہت کم۔ ایسی صورت میں اس سے کہا جائے کہ تم اس ضلع میں جاکر اپنا مقدمہ پیش کرو، جہاں کہ مسلم جج ہے اور وہاں ہی اپنے مقدمہ کی پیروی کرو۔ اور اپنے تمام گواہوں کو وہاں پہنچانے کا خرچہ بھی اٹھاؤ۔ تو اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ اس کا تو صاف مطلب یہ نکلا کہ قانون خلع اس کیلئے بالکل بے کار ہوگا اور اس کے سامنے پہلے کی طرح دو ہی راستے کھلے رہیں گے یعنی یا تو وہ (نعوذ باللہ) مرتد ہوکر کفر کی پناہ لے یا گھل گھل کر اپنی جان دیدے۔

نظام شرعی قائم کیا جائے

دوسری۔ آخری اور سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کیلئے علیحدہ نظام شرعی قائم کیا جائے اور آپس کے تمام تنازعات اور مقدمات کا فیصلہ کیا جایا کرے۔ مسلمانوں میں نظام شرعی کے قیام کی ضرورت کا احساس ہو رہا ہے اور ہندوستان کے طول و عرض میں خدا کے فضل سے جلسے ہو رہے ہیں مگر ضرورت ہے کہ اس تحریک کو اور بھی تقویت دی جائے اور پرزور (لیکن پرامن) طریقے پر اسے منوانے کی پوری کوشش کیجائے۔

کیا یہ ممکن ہے؟

سوال ہوسکتا ہے کہ حکومت مسلمانوں کیلئے علیحدہ نظام شرعی قائم کرسکتی ہے؟ اور وہ ایسا کرنے کے لئے بآسانی تیار ہوجائیگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ضرور ایسا ہوسکتا ہے اور اگر حکومت اس کیلئے آمادہ ہوجائے تو اسے کسی قسم کی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑیگا۔ ایسا کرنے میں اسکا فائدہ ہی ہے نقصان نہیں۔ وہ دوسروں کیلئے اس قسم کا انتظام کرچکی ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کیلئے نہ کرے۔ ہمارے سامنے سکھوں اور پارسیوں کی مثال موجود ہے۔ پارسیوں نے ہندوستان میں قلیل التعداد ہونے کے باوجود گورنمنٹ سے اپنا علیحدہ نظام منظور کرالیا ہے۔ ان کے وہ تمام مقدمات جو فریقین پارسی مذہب کے قانون کی رو سے کرانا چاہیں۔ انکے مذہبی علما کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اور ان کا فیصلہ ناطق ہوتا ہے اور اس کے خلاف صرف ہائی کورٹ میں اپیل ہوسکتی ہے۔ سکھ غالباً ان سے بھی کم ہیں اور مسلمانوں کے مقابلے میں تو کوئی حیثیت نہیں رکھتے یعنی صرف ۴۰ لاکھ ہیں۔ مگر اس کے باوجود انھوں نے گوردوارہ ایکٹ پاس کرالیا ہے جس کے رو سے وہ سکھ ٹریبونل بنوا سکتے ہیں۔

اگر اسقدر چھوٹی چھوٹی اور ناقابل التفات اقلیتیں اپنا علیحدہ نظام مقرر کرسکتی ہیں اور جداگانہ قانون بنوا سکتی ہیں۔ تو کیا مسلمان جو کہ ہندوستان کی دوسری سب سے بڑی قوم ہیں ایسا نہیں کرسکتے؟ کرسکتے ہیں اور ضرور کرسکتے ہیں۔ مگر ہاتھ پر ہاتھ رکھکر نہیں۔ بلکہ اس کیلئے ضرورت ہے مستقل جدوجہد عظیم الشان ایجی ٹیشن اور ہمہ گیر پروپگنڈا کی اور قانون ساز مجالس میں

ان لوگوں کو بھولنے کی جنکا مطمح نظر اپنی حیات سیاسی کی سربلندیاں، کرسیاں اور عہدے نہ ہوں۔ بلکہ جو سچے اور مخلص مسلمان ہوں دل میں مسلمانوں کا درد رکھتے ہوں اور ایثار پسند ہوں۔

جمعیۃ العلماء نے اپنے گیارہویں اجلاس کے موقعہ پر اس قسم کی تجویز پاس کی تھی لیکن شاید ارباب جمعیۃ اس کیلئے اسیقدر کافی سمجھتے ہیں اور آگے قدم نہیں اٹھانا چاہتے۔ کیونکہ اجلاس کے بعد سے ابتک اس کیلئے کوئی اور مزید موثر کارروائی نہیں کی گئی۔

موجودہ حالات میں کیا کیا جائے

لیکن سوال تو یہ ہے کہ موجودہ حالات میں کیا کیا جائے۔ جبکہ مسلمان جج کے علاوہ شریعت کے نزدیک کسی اور کا فیصلہ معتبر نہیں۔ اور ہندوستان میں مسلمان ججوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ اور نہ ہی کم از کم دو تین سال تک نظام شرعی کے قیام کی صورت نظر آرہی ہے تو وہ غریب معصوم اور مظلوم عورتیں کیا کریں۔ جو شوہروں کے مظالم کی تختہ مشق اور مصیبتوں کی شکار ہیں۔ کیا وہ مرتد ہوکر کفر کی آغوش میں پناہ لے لیں۔ خودکشی کرکے جان دیدیں یا بدستور ان کے مظالم کی تختہ مشق بنی رہیں۔

میرے خیال میں جب تک ان مشکلات کا ازالہ نہیں ہوجاتا اور نظام شرعی قائم نہیں ہوتا اسوقت تک مسلمان مجالس اور ادارات کو آگے بڑھ کر اس کام کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے۔ جسکی صورت یہ ہو کہ وہ اپنی زیر نگرانی ہر ہر شہر و قصبہ بلکہ ممکن ہو تو دیہات میں بھی ایسی پنچایتی مجالس قائم کریں جو کہ ان معصوم و مظلوم عورتوں کو ظالم شوہروں کے دست برد سے بچائیں تاکہ وہ ارتداد و خودکشی کے معصیت آمیز افعال کے ارتکاب سے محفوظ رہیں۔

چند ضروری باتیں

اگرچہ اس قانون کے ذریعہ ایک بہت بڑی مصیبت دور کردی گئی ہے۔ مگر ابھی تک تمام مشکلات کا ازالہ نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد بھی چند ضروری باتیں ایسی رہ جاتی ہیں جنکا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) گھریلو جھگڑوں کے اسباب زیادہ تر مردہی کے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا طرز عمل بالکل غیر ہمدردانہ اور ظالمانہ ہوتا ہے حالانکہ اس کیلئے ان کے پاس کوئی وجہ جواز نہیں۔ احادیث کے مطالعہ سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے اچھے برتاؤ رکھنے کو کسقدر اہمیت دی ہے۔ اور ان سے حسن معاشرت رکھنے پر کسقدر ابھارا ہے۔ ترمذی میں حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِهِمْ یعنی ایمانداروں میں سب سے زیادہ کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ اور تم (مسلمانوں) میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے ترمذی دارمی ابن ماجہ میں ہے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَهْلِیْ تم میں اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیوی کے حق میں اچھے ثابت ہوں۔ اسی لئے میرا برتاؤ اپنی بیویوں کے ساتھ بہت اچھا ہے۔" میاں بیوی میں اختلاف ڈالنے کے متعلق آپ نے بہت سخت حکم دیا ہے فرماتے ہیں لَیْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ اِمْرَاَۃً عَلٰی زَوْجِهَا اَوْ عَبْدًا عَلٰی سَیِّدِهٖ (ابوداؤد) یعنی میاں بیوی یا غلام اور آقا میں جو شخص جھگڑے اور فساد ڈلواتا ہے (وہ ہمارے اسلامی طریقہ کے خلاف چلنے والا نافرمان ہے) وہ ہم میں سے نہیں ہے" آپ کا برتاؤ اپنی بیویوں کے ساتھ جسقدر بہترین تھا اسکی مثال ملنی محال ہے۔ الغرض ضرورت اس بات کی ہے کہ مردوں کو عورتوں سے الفت و محبت سے پیش آنی کی تلقین کرنی چاہئے۔ اور انھیں اپنے فرائض و حقوق سے آگاہ کرنا چاہئے۔ تاکہ عورتوں کو خلع کرانے کی ضرورت ہی نہ محسوس ہو۔

(۲) اس چیز کی بھی سخت ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں مطلقہ اور مخلوعہ عورتوں سے پرہیز کرنے کی جو غیر اسلامی ذہنیت پیدا ہوگئی ہے اس کو مٹایا جائے کیونکہ اگر طلاق یا خلع حاصل کر لینے کے بعد بھی عورتیں اسی طرح بے یار و مددگار پھرتی رہیں تو انکی مشکلات میں کمی ہونے کے بجائے اضافہ ہوجائیگا۔ اور اس قانون سے کوئی معتدبہ فائدہ نہیں حاصل کیا جاسکیگا۔

(۳) آخر میں ہمیں عورتوں سے یہ کہنا ہے کہ اگرچہ اب انھیں یہ حق حاصل ہوچکا ہے اور اسے استعمال کرکے وہ جب چاہیں خلع حاصل کرسکتی ہیں مگر انھیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ان کے شوہر انسان ہیں فرشتہ نہیں کہ غلطیاں ہونے کا احتمال ہی نہ رہے ان سے غلطیاں بھی ہوسکتی ہیں۔ اسلئے اگر وہ انھیں تکلیف پہنچاتے ہیں۔ مارتے پیٹتے ہیں۔ نان و نفقہ نہیں دیتے وغیرہ وغیرہ تو انھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ دوڑی دوڑی چلی جائیں۔ اور عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا کر خلع حاصل کرلیں۔ بلکہ انھیں چاہیئے کہ محبت۔ خدمت۔ وفاداری اور فرمانبرداری کے حربوں سے ان کے دل پر فتح حاصل کرلیں۔ اپنی شہرت و قابلیت سے ان کی آنکھوں کو خیرہ کردیں۔ تدبر و دانشمندی سے کام لیکر ان کے دل رام کرلیں اور مٹھی میں لیکر جس طرف چاہیں پھیر دیں خلع حاصل کرنے کیلئے عدالت کا دروازہ صرف اس وقت کھٹکھٹانا چاہیئے جبکہ تمام حربے بیکار ہوجائیں کوئی بھی کارگر نہ ثابت ہو صلح و مفاہمت کے تمام دروازے بند ہوجائیں اور ایک ساتھ رہنا دشوار ہوجائے۔

شرعی نقطۂ نگاہ سے بلا عذر معقول خلع کرانا بہت بڑا گناہ ہے۔ متعدد احادیث میں طلاق و خلع بلا عذر معقول کی سخت مذمت کی گئی ہے ابوداؤد میں ہے۔ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ یعنی حلال مبغوض و مکروہ چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بری اور مبغوض چیز طلاق ہے۔ دارقطنی میں ہے وَلَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ یعنی اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر طلاق سے بڑھ کر کوئی مبغوض چیز نہیں پیدا کی۔ مسند احمد ترمذی۔ ابوداؤد و ابن ماجہ دارمی وغیرہ میں ہے آپ نے فرمایا اَیُّمَا امْرَأَۃٍ سَاَلَتْ زَوْجَھَا طَلَاقًا فِیْ غَیْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَیْھَا رَائِحَۃُ الْجَنَّۃِ۔ یعنی انتہائی ناقابل برداشت اور مایوس کن حالات کے بغیر طلاق طلب کرنیوالی پر جنت کی خوشبو تک حرام ہے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طلاق صرف اسوقت طلب کرنا چاہیئے جبکہ گذر بسر کی کوئی صورت نظر نہ آئے۔ اور حالات انتہائی مایوس کن صورت اختیار کرلیں۔ نسائی شریف میں ہے عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ۔ اَلْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ ھُنَّ الْمُنَافِقَاتُ (مشکوٰۃ ج ۲ ص۲۸۴) یعنی حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورتیں جو بلا عذر شرعی کے اپنے شوہروں کی نافرمانی کرتی ہیں اور وہ عورتیں جو (کسی واقعی تکلیف اور حقیقی عذر کے بغیر) خلع کراتی ہیں وہ منافق ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خلع یا طلاق صرف اسوقت حاصل کئے جائیں جبکہ ایک ساتھ رہنا دشوار ہوجائے۔ ناقابل برداشت مظالم کا سامنا کرنا پڑے حالات بالکل مایوس کن و ناقابل اصلاح ہوجائیں۔ اصلاح کی کوئی صورت نہ باقی رہے۔ کوئی حربہ کارگر نہ ثابت ہو۔ لیکن اگر خدانخواستہ آپ ایسا کرنے کیلئے تیار نہیں تو فَحَرَامٌ عَلَیْھَا رَائِحَۃُ الْجَنَّۃِ (ان پر جنت کی خوشبو حرام ہے) اور ھُنَّ الْمُنَافِقَاتُ (وہ منافق ہیں) وغیرہ الفاظ پھر ذہن نشین کرلیجئے اور اسکے بعد جو کچھ چاہئے کیجئے۔

عندلیب فارانی